معراج کا پیغام

(یہ تقریر ۲۷ رجب ۶۸ھ کو ریڈیو پاکستان، لاہور سے نشر کی گئی تھی۔ حاشیہ میں جو توضیحات کی گئی ہیں وہ بعد کا اضافہ ہیں)

اسلام کی تاریخ میں دو راتیں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک وہ رات جس میں نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول شروع ہوا۔ دوسری وہ رات جس میں آپ کو معراج نصیب ہوئی۔ پہلی رات کی اہمیت تو سب کو معلوم ہے کہ اُس میں نوع انسان کی رہنمائی کے لئے وہ روشن ہدایت نامہ بھیجا گیا جو باطل کی تاریکیوں میں حق کا نور صدیوں سے پھیلا رہا ہے، اور قیامت تک پھیلاتا رہیگا۔ لیکن دوسری رات کی اہمیت بعض دینیاتی بحثوں میں گم ہو کر رہ گئی ہے۔ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس رات میں انسانیت کی تعمیر کے لئے کتنا عظیم الشان کارنامہ انجام پایا۔ آج اس مبارک رات کی یاد تازہ کرتے ہوئے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ یہ رات ہمارے لئے کیا پیغام لائی ہے۔

معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کا یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا تھا۔ اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید کی آواز بلند کرتے ہوئے ۱۲ سال گزر چکے تھے۔ باوجودیکہ آپ کے مخالفین نے آپ کا راستہ روکنے کے لئے سارے ہی جتن کر ڈالے تھے، پھر بھی آپ کی آواز عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی تھی۔ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ رہا تھا جس میں دو چار آدمی آپ کے ہم خیال نہ بن چکے ہوں۔ خود مکہ میں ایسے مخلص لوگوں کی ایک مختصر جماعت آپ کے گرد جمع ہو گئی تھی جن سے زیادہ سرگرم اور فداکار حامی دُنیا کی کسی تحریک کو کبھی نہیں ملے۔ اور مدینہ میں دو طاقتور اور خود مختار قبیلوں کی اکثریت آپ کی دعوت پر ایمان لا چکی تھی۔ اب وہ وقت قریب آ گیا تھا کہ آپ مکہ سے مدینے منتقل ہو جائیں، تمام ملک کے منتشر مسلمانوں کو اپنے پاس سمیٹ لیں، اور اُن اصولوں پر ایک ریاست قائم کر دیں جن کی اب تک آپ تبلیغ کرتے رہے تھے۔ یہی وہ موقع تھا جب آپ کو معراج کا سفر پیش آیا۔

اس سفر سے واپس آکر جو پیغام آپ نے دیا وہ قرآن مجید کی سترھویں سورۃ — سورہ بنی اسرائیل — میں آج تک لفظ بلفظ محفوظ ہے۔ اس کو دیکھئے اور اس کے تاریخی پس منظر کو نگاہ میں رکھئے تو آپ کو صاف معلوم ہو جائیگا کہ اسلام کے اصولوں پر ایک نئی ریاست کا سنگِ بنیاد رکھنے سے پہلے وہ ہدایات دی جا رہی ہیں جن پر نبی اور اصحاب نبی کو آگے کام کرنا تھا۔

اس پیغام میں معراج کا ذکر کرنے کے بعد سب سے پہلے بنی اسرائیل کی تاریخ سے عبرت دلائی گئی ہے۔ مصریوں کی غلامی سے نکل کر بنی اسرائیل نے جب آزاد زندگی شروع کی تھی تو خداوند عالم نے اُن کی رہنمائی کے لئے کتاب عطا فرمائی تھی۔ اور تاکید کر دی تھی کہ میرے سوا اب اپنے معاملات کی تکمیل کسی اور کے ہاتھ میں نہ دینا۔ مگر بنی اسرائیل نے خدا کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت کیا اور زمین میں مصلح بننے کے بجائے مفسد و سرکش بن کر رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ایک مرتبہ ان کو بابل والوں سے پامال کرایا، اور دوسری مرتبہ رومیوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ اس سبق آموز تاریخ کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ صرف قرآن ہی وہ چیز ہے جو تمہیں ٹھیک راستہ بتائیگی۔ اس کی پیروی میں کام کرو گے تو تمہارے لئے بڑے انعام کی بشارت ہے۔

دوسری اہم حقیقت جس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر انسان خود اپنی ایک مستقل اخلاقی ذمہ داری رکھتا ہے۔ اس کا اپنا ہی عمل اس کے حق میں فیصلہ کن ہے۔ سیدھا چلیگا تو آپ اپنا بھلا کریگا۔ غلط راہ پر جائیگا تو خود ہی نقصان اٹھائیگا۔ اس شخصی ذمہ داری میں کوئی کسی کا شریک نہیں ہے، اور نہ کسی کا بار دوسرے پر پڑ سکتا ہے۔ لہٰذا ایک صالح معاشرے کے ہر ہر فرد کو اپنی ذاتی ذمہ داری پر نگاہ رکھنی چاہیئے۔ دوسرے جو کچھ بھی کر رہے ہوں، اسے پہلی فکر یہ ہونی چاہیئے کہ وہ خود کیا کر رہا ہے۔

تیسری بات جس پر متنبہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک معاشرے کو آخر کار جو چیز تباہ کرتی ہے وہ اُس کے بڑے لوگوں کا بگاڑ ہے۔ جب کسی قوم کی شامت آنے کو ہوتی ہے تو اس کے خوشحال اور مالدار اور صاحب اقتدار لوگ فسق و فجور پر اتر آتے ہیں۔ ظلم و ستم اور بدکاریاں اور شرارتیں کرنے لگتے ہیں، اور آخر

یہی فتنہ پوری قوم کو لے ڈوبتا ہے۔ لہٰذا جو معاشرہ آپ اپنا دشمن نہ ہو اسے فکر رکھنی چاہئے کہ اس کے ہاں اقتدار کی باگیں اور معاشی دولت کی کنجیاں کم ظرف اور بد اخلاق لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے پائیں

پھر مسلمانوں کو وہ بات یاد دلائی گئی ہے جو قرآن میں بار بار دہرائی جاتی رہی ہے کہ اگر تمہارے پیشِ نظر صرف یہی دنیا اور اس کی کامیابیاں اور خوشحالیاں ہوں تو یہ سب کچھ تمہیں مل سکتا ہے۔ مگر اس کا آخری انجام بہت بُرا ہے۔ مستقل اور پائدار کامیابی جو اس زندگی سے لے کر دوسری زندگی تک کہیں نامرادی سے داغ دار نہ ہونے پائے، تمہیں صرف اسی صورت میں مل سکتی ہے جب کہ تم اپنی کوششوں میں آخرت اور اُس کی بازپرس کو پیش نظر رکھو۔ دنیا پرست کی خوشحالی بظاہر تعمیر کی شان رکھتی ہے مگر اس تعمیر میں ایک بہت بڑی خرابی کی صورت مضمر ہے۔ وہ اخلاق کی اس فضیلت سے محروم ہوتا ہے جو صرف آخرت کی جوابدہی کا احساس رکھنے ہی سے پیدا ہوا کرتی ہے۔ یہ فرق تم دُنیا ہی میں دونوں طرح کے آدمیوں کے درمیان دیکھ سکتے ہو۔ یہی فرق بعد کی منازلِ حیات میں اور زیادہ نمایاں ہو جائیگا یہاں تک کہ ایک کی زندگی سراسر ناکامی اور دوسرے کی زندگی سراسر کامیابی بن کر رہیگی۔

اِن تمہیدی نصیحتوں کے بعد وہ بڑے بڑے اصول بیان کئے گئے ہیں جن پر آئندہ اسلامی ریاست اور معاشرے کی تعمیر ہونی تھی۔ یہ ۱۴ اصول ہیں، اور میں انہیں اسی ترتیب سے آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں جس طرح وہ معراج کے اس پیغام میں بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ خدائے واحد کے سوا کسی کی خداوندی نہ مانی جائے۔ صرف وہی تمہارا معبود ہو۔ اسی کی تم بندگی و اطاعت کرو، اور اسی کے حکم کی پیروی تمہارا شعار رہے۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور کا اقتدار اعلیٰ تم نے تسلیم کیا، خواہ وہ کوئی غیر ہو یا تمہارا اپنا نفس، تو آخرکار تم قابل مذمت بن کر رہو گے اور اُن برکتوں سے محروم ہو جاؤ گے جو صرف خدا کی تائید سے ہی حاصل ہوا کرتی ہیں۔[1]

---

[1] یہ صرف ایک مذہبی عقیدہ ہی نہ تھا بلکہ اُس سیاسی نظام کا جسے بعد میں مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا، اولین بنیادی اصول بھی تھا۔ اس کی پوری عمارت اس نظریہ پر اٹھائی گئی تھی کہ خداوند عالم ہی مُلک کا مالک اور بادشاہ ہے۔ اور خدا کی شریعت ہی ملک کا قانون ہے۔

۲- انسانی حقوق میں سب سے اہم اور مقدم حق والدین کا ہے۔ اولاد کو والدین کا مطیع، خدمت گزار اور ادب شناس ہونا چاہئے۔ معاشرے کا اجتماعی اخلاق ایسا ہونا چاہیئے جس میں اولاد والدین سے بے نیاز اور سرکش نہ ہو بلکہ اُن سے نیک سلوک کرے، اُن کا احترام ملحوظ رکھے اور بڑھاپے میں ان کی ویسی ہی ناز برداری کرے جو کبھی بچپن میں وہ اس کی کر چکے ہیں۔[ف]

۳- اجتماعی زندگی میں تعاون، ہمدردی، اور حق شناسی و حق رسانی کی روح جاری و ساری رہے۔ ہر رشتہ دار اپنے دوسرے رشتہ دار کا مددگار رہو۔ ہر محتاج انسان دوسرے انسانوں سے مدد پانے کا حق دار ہو۔ ایک مسافر جس بستی میں بھی جائے اپنے آپ کو مہمان نواز لوگوں کے درمیان پائے۔ معاشرت میں حق کا تصور اتنا وسیع ہو کہ ہر شخص ان سب انسانوں کے حقوق اپنے اوپر محسوس کرے جن کے درمیان وہ رہتا ہے۔ ان کی کوئی خدمت کرے تو یہ سمجھے کہ وہ ان کا حق ادا کر رہا ہے نہ کہ احسان کا بوجھ ان پر لاد رہا ہے، اور اگر کسی خدمت کے قابل نہ ہو تو معذرت کرے اور خدا سے فضل مانگے تاکہ وہ دوسروں کے کام آسکے۔[ف]

ف - اس دفعہ کی رو سے یہ طے کر دیا گیا کہ اسلامی نظام معاشرت کی بنا خاندان پر رکھی جائیگی اور خاندانی نظام کا محور والدین کا ادب و احترام ہوگا۔ بعد میں اسی دفعہ کے منشا کے مطابق والدین کے وہ شرعی حقوق معین کئے گئے جن کی تفصیلات ہم کو حدیث اور فقہ میں ملتی ہیں۔ نیز اسلامی معاشرہ کی ذہنی و اخلاقی تربیت میں اور مسلمانوں کے آدابِ تہذیب میں وہ خیالات و اطوار پیوست کر دئے گئے جو خدا اور رسول کے بعد والدین کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

ف اس دفعہ کی بنیاد پر مدینہ طیبہ کے معاشرے میں صدقات واجبہ اور صدقات نافلہ کے احکام دئے گئے، وصیت، وراثت اور وقف کے طریقے مقرر کئے گئے، یتیموں کے حقوق کی حفاظت کا انتظام کیا گیا، ہر بستی پر مسافر کا یہ حق قائم کیا گیا کہ وہ کم از کم تین دن تک اس کی ضیافت کرے، اور پھر اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ سے پورے معاشرے میں فیاضی، ہمدردی اور تعاون کی ایسی روح پھونک دی گئی کہ لوگوں کے اندر قانونی حقوق کے ماسوا اخلاقی حقوق کا ایک وسیع ترین تصور پیدا ہو گیا، اور اس کی بنا پر لوگ (باقی صفحہ ۴۳ پر)

۴۔ لوگ اپنی دولت کو غلط طریقوں سے ضائع نہ کریں۔ فخر اور ریا اور نمائش کے خرچ، عیاشی اور فسق و فجور کے خرچ، اور تمام ایسے خرچ جو انسان کی حقیقی ضروریات اور مفید کاموں میں صرف ہونے کے بجائے دولت کو غلط راستوں میں بہا دیں، دراصل خدا کی نعمت کا کفران ہیں۔ جو لوگ اس طرح اپنی دولت کو خرچ کرتے ہیں وہ حقیقت میں شیطان کے بھائی ہیں اور ایک صالح معاشرے کا فرض ہے کہ ایسے بے جا صرفِ مال کو اخلاقی تربیت اور قانونی پابندیوں کے ذریعہ سے روک دے۔

۵۔ لوگوں میں اتنا اعتدال ہونا چاہیئے کہ وہ نہ تو بخیل بن کر دولت کی گردش کو روکیں اور نہ فضول خرچ بن کر اپنی معاشی طاقت کو ضائع کریں۔ معاشرے کے افراد میں توازن کی ایک ایسی صحیح حس پائی جانی چاہیئے کہ وہ بجا خرچ سے باز بھی نہ رہیں اور بیجا خرچ کی خرابیوں میں بھی مبتلا نہ ہوں[1]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) خود بخود ایک دوسرے کے ایسے حق بھی پہچاننے اور ادا کرنے لگے جو کسی قانون کے زور سے نہ مانگے جا سکتے ہیں اور نہ دلوائے جا سکتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] مدینہ کی سوسائٹی میں ان دونوں دفعات کے منشا کی ترجمانی مختلف طریقوں سے کی گئی۔ ایک طرف فضول خرچی اور عیاشی کی بہت سی صورتوں کو ازروئے قانون حرام کر دیا گیا۔ دوسری طرف بالواسطہ قانونی تدابیر سے بھی بیجا صرفِ مال کی روک تھام کی گئی۔ تیسری طرف حکومت کو یہ اختیارات دیئے گئے کہ اسراف کی نمایاں صورتوں کو وہ اپنے انتظامی احکام کے ذریعہ سے روک دے اور جو لوگ اپنے مال میں بہت زیادہ ناروا طریقوں سے تصرف کرنے لگیں ان کی جائداد کو خود اپنے انتظام میں لے لے۔ ان تدابیر کے علاوہ معاشرے میں ایک ایسی رائے عام بھی پیدا کی گئی جو فضول خرچیوں پر واہ واہ کرنے کے بجائے ملامت کرے، اور اخلاقی تعلیم کے ذریعہ سے افراد کے نفس کی اصلاح بھی کی گئی تاکہ وہ بجا اور بے جا خرچ کے فرق کو خود سمجھیں اور بے جا خرچوں سے آپ ہی آپ باز رہیں۔ اسی طرح بخل کو بھی جس حد تک قانون کے ذریعہ سے توڑا جا سکتا تھا اس کے لئے قانون سے کام لیا گیا، اور باقی اصلاح کا کام رائے عام کے زور اور اخلاقی تعلیم کی طاقت سے لیا گیا۔ آج یہ اسی کا اثر ہے کہ مسلمان سوسائٹی میں کنجوسوں اور زراندوزوں کو جس بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس کی مثال کسی دوسری سوسائٹی میں نہ ملیگی۔

۶۔ خُدا نے اپنے رزق کی تقسیم کا جو نظام قائم کیا ہے، انسان اپنی مصنوعی تدبیروں سے اُس میں دخل انداز نہ ہو۔ اس نے اپنے سب بندوں کو رزق میں مساوی نہیں رکھا، بلکہ ان کے درمیان کم و بیش کا فرق رکھا ہے، اور اس کے اندر بہت سی مصلحتیں ہیں جن کو وہ خود ہی بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا ایک صحیح معاشی نظام وہی ہے جو خُدا کے مقرر کئے ہوئے اِس طریقہ سے قریب تر ہو۔ فطری نامساوات کو ایک مصنوعی مساوات میں تبدیل کرنا، یا نامساوات کو فطرت کی حدود سے بڑھا کر بے انصافی کی حد تک پہنچا دینا، دونوں یکساں غلط ہیں[1]۔

۷۔ نسلوں کی افزائش کو اس ڈر سے روک دینا کہ کھانے والے بڑھ جائینگے تو معاشی ذرائع تنگ ہو جائینگے، ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ جو لوگ اس اندیشے سے آنے والی نسلوں کو ہلاک کرتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ رزق کا انتظام اُن کے ہاتھ میں ہے۔ حالانکہ رازق وہ خدا ہے جس نے انسانوں کو زمین میں بسایا ہے۔ پہلے آنے والوں کے لئے بھی رزق کا سامان اسی نے کیا تھا اور بعد کے آنے والوں کے لئے بھی وہی سامان کریگا۔ جتنی آبادی بڑھتی ہے، خدا اسی نسبت سے معاشی ذرائع بھی وسیع کر دیتا ہے۔ لہٰذا لوگ خُدا کے تخلیقی انتظامات میں بے جا دخل اندازی نہ کریں اور کسی قسم

---

[1] اس دفعہ میں قانونِ فطرت کے جس اصول کی طرف رہنمائی کی گئی تھی اس کی وجہ سے مدینے کے اصلاحی پروگرام میں یہ تخیل سرے سے کوئی راہ ہی نہ پا سکا کہ رزق اور وسائلِ رزق میں تفاوت اور تفاضل بجائے خود کوئی بے انصافی ہے اور انصاف قائم کرنے کے لئے امیری اور غریبی کا فرق مٹانے اور ایک "بے طبقات" معاشرہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا کسی درجہ میں بھی مطلوب ہے۔ اس کے برعکس مدینہ طیبہ میں انسانی تمدن کو صالح بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے جو راہ عمل اختیار کی گئی وہ یہ تھی کہ فطرت اللہ نے انسانوں کے درمیان جو فرق رکھے ہیں ان کو اصل فطری حالت پر جوں کا توں برقرار رکھا جائے اور دفعات ۳، ۴، ۵ کے مطابق سوسائٹی کے اخلاق و اطوار اور قوانین کی اس طرح اصلاح کر دی جائے کہ معاش کا فرق و تفاوت کسی ظلم و بے انصافی کا موجب بننے کے بجائے اُن بے شمار اخلاقی و روحانی اور تمدنی فوائد کا ذریعہ بن جائے جن کی خاطر ہی دراصل خالقِ کائنات نے اپنے بندوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت رکھا ہے۔

کے حالات میں بھی ان کے اندر "نسل کشی" کا میلان پیدا نہ ہونے پائے۔[۱]

۸۔ زنا عورت اور مرد کے تعلق کی بالکل ایک غلط صورت ہے۔ اس کو نہ صرف بند ہونا چاہیئے بلکہ معاشرے کے اندر اُن اسباب کا بھی سدّباب کیا جانا چاہیئے جو انسان کو اس کے قریب لے جاتے ہیں۔[۲]

۹۔ انسانی جان کو اللہ نے قابل احترام ٹھیرایا ہے۔ کوئی شخص نہ اپنی جان لینے کا حق رکھتا ہے اور نہ کسی دوسرے کی جان۔ خدا کی مقرر کی ہوئی یہ حُرمت صرف اسی صورت میں ٹوٹ سکتی ہے جب کہ خدا ہی کا مقرر کیا ہوا کوئی حق اُس کے خلاف قائم ہو جائے۔ پھر حق قائم ہو جانے کے بعد بھی خونریزی صرف اس حد تک ہونی چاہیئے جہاں تک حق کا تقاضا ہو۔ قتل میں اسراف کی تمام صورتیں بند ہو جانی چاہئیں، مثلاً جوشِ انتقام میں مجرم کے علاوہ دوسروں کو قتل کرنا جن کے خلاف حق قائم نہیں ہوا ہے یا مجرم کو عذاب دے دے کر مارنا، یا مار دینے کے بعد اس کی لاش کی بے حُرمتی کرنا، یا ایسی ہی دوسری انتقامی زیادتیاں جو دنیا میں رائج رہی ہیں۔[۳]

---

[۱] یہ دفعہ اُن معاشی بنیادوں کو قطعی طور پر منہدم کر دیتی ہے جن پر قدیم زمانے سے لیکر آج تک مختلف ادوار میں ضبطِ ولادت کی تحریک اُٹھتی رہی ہے۔ قدیم زمانے میں افلاس کا خوف قتلِ اطفال اور اسقاطِ حمل کا محرک ہوا کرتا تھا۔ اور آج وہ ایک تیسری تدبیر یعنی منعِ حمل کی طرف دنیا کو دھکیل رہا ہے۔ لیکن معراج کے پیغام کی یہ دفعہ انسان کو ہدایت دیتی ہے کہ وہ کھانے والوں کو گھٹانے کی تخریبی کوشش چھوڑ کر کھانے کے ذرائع بڑھانے کی تعمیری سعی میں اپنی قوتیں اور قابلیتیں صرف کرے۔

[۲] یہ دفعہ آخر کار اسلامی نظامِ زندگی کے ایک وسیع باب کی بنیاد بنی۔ اس کے منشا کے مطابق زنا اور تہمتِ زنا کو فوجداری جرم قرار دیا گیا، پردے کے احکام جاری کئے گئے، فواحش کی اشاعت پر پابندیاں عائد کی گئیں، شراب اور موسیقی اور رقص اور تصاویر پر بندشیں لگائی گئیں، اور ایک ایسا ازدواجی قانون بنایا گیا جس سے نکاح نہایت آسان ہو گیا اور زنا کے معاشرتی اسباب کا خاتمہ کر دیا گیا۔

[۳] اس دفعہ کی بنیاد پر اسلامی قانون میں خودکشی کو حرام کیا گیا۔ قتلِ عمد کو جرم ٹھیرایا گیا (باقی صفحہ ۳۷ پر)

۱۰۔ یتیموں کے مفاد کی اس وقت تک حفاظت ہونی چاہیئے جب تک وہ خود اپنے بل بوتے پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہو جائیں۔ ان کے مال میں کوئی ایسا تصرف نہ ہونا چاہیئے جو خود ان کے مفاد کے لئے بہتر نہ ہو[۱]۔

۱۱۔ عہد و پیمان خواہ افراد ایک دوسرے سے کریں، یا ایک قوم دوسری قوم سے کرے، بہرحال ایمانداری کے ساتھ پورے کئے جائیں۔ معاہدوں کی خلاف ورزی پر خدا کے ہاں بازپرس ہوگی[۲]۔

۱۲۔ ناپ اور پیمانے اور اوزان ٹھیک رکھے جائیں اور لین دین میں صحیح تول تولی جائے[۳]۔

۱۳۔ تم کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کے صحیح ہونے کا تمہیں علم نہ ہو[۴]۔ اپنی سماعت اور بینائی کا اور اپنے دلوں کی نیتوں اور خیالات اور ارادوں کا تمہیں خدا کو حساب دینا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) قتل خطا کی مختلف صورتوں کے لئے خونبہا اور کفارے تجویز کئے گئے، اور قتل بالحق کو صرف تین صورتوں میں مقید کر دیا گیا، ایک یہ کہ کوئی شخص قتل عمد کا مرتکب ہوا ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی شادی شدہ مرد یا عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہو، تیسرے یہ کہ کسی شخص نے اسلامی نظام جماعت کے خلاف خروج کیا ہو۔ پھر قتل بالحق کا فیصلہ کرنے کے اختیارات بھی صرف قاضی شرع کو دئے گئے، اور اس کا ایک مہذب ضابطہ بنا دیا گیا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] یہ محض ایک اخلاقی ہدایت ہی نہ تھی بلکہ یتامیٰ کے حقوق کی حفاظت کے لئے اسلامی نظام حکومت میں قانونی اور انتظامی دونوں طرح کی تدابیر اختیار کی گئیں جن کی تفصیلات ہم کو حدیث و فقہ کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

[۲] یہ بھی صرف اسلامی اخلاقیات ہی کی ایک اہم دفعہ نہ تھی بلکہ آگے چل کر اسلامی حکومت نے اپنی داخلی اور خارجی سیاست کا سنگ بنیاد بھی اسی دفعہ کو بنایا۔

[۳] اس دفعہ کے مطابق اسلامی حکومت کے محکمۂ احتساب پر منجملہ دوسرے فرائض کے ایک فرض یہ بھی عائد ہوا کہ وہ منڈیوں میں اوزان اور پیمانوں کی نگرانی کرے اور تطفیف کو بزور بند کر دے۔

[۴] اس دفعہ کا منشا یہ تھا کہ مسلمان اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں وہم و گمان اور قیاس کے بجائے "علم" کی پیروی کریں۔ اس منشا کی ترجمانی اخلاق میں، قانون میں، ملکی نظم و نسق (باقی حاشیہ صفحہ ۳۸)

۱۴- زمین میں جباروں اور متکبروں کی چال نہ چلو، تم نہ اپنی اکڑ سے زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ اپنے غرور میں پہاڑوں سے سر بلند ہو سکتے ہو۔[ل]

یہی وہ اصول تھے جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے پہنچ کر اسلامی سوسائیٹی اور اسلامی ریاست کی تعمیر فرمائی۔ (باجازت ریڈیو پاکستان)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷) اور سیاست میں اور نظام تعلیم میں مختلف طریقوں سے بہت وسیع پیمانے پر کی گئی اور اُن بیشمار خرابیوں سے اسلامی معاشرے کو بچالیا گیا جو علم کے بجائے گمان کی پیروی کرنے سے زندگی کے مختلف پہلوؤں میں رونما ہوتی ہیں۔ اخلاق میں ہدایت کی گئی کہ بدگمانی سے بچو اور کسی شخص یا گروہ پر بلا تحقیق کوئی الزام نہ لگاؤ۔ قانون میں یہ مستقل اصول مقرر کیا گیا کہ محض شبہ پر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ تفتیش جرائم میں یہ قاعدہ طے کر دیا گیا کہ گمان پر کسی کو پکڑنا اور مار پیٹ کرنا یا حوالات میں دے دینا قطعی ناجائز ہے۔ غیر قوموں کے ساتھ برتاؤ میں بھی یہ پالیسی معین کر دی گئی کہ تحقیق کے بغیر کسی کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا جائے اور نہ شبہات پر افواہیں پھیلائی جائیں۔ نظام تعلیم میں بھی اُن تمام نام نہاد "علوم" کو ناپسند کیا گیا جو محض ظن و تخمین اور لاطائل قیاسات پر مبنی ہیں اور مسلمانوں کے اندر ایک حقیقت پسندانہ ذہنیت پیدا کی گئی۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [ل] یہ بھی محض ایک واعظانہ بات نہ تھی بلکہ درحقیقت اس میں مسلمانوں کو پیشگی تنبیہ کی گئی تھی کہ ایک حکمراں گروہ بننے کے بعد وہ غرور و تکبر میں مبتلا نہ ہوں۔ یہ اسی ہدایت کا فیض تھا کہ جو حکومت اس منشور کے مطابق مدینۂ طیبہ میں قائم کی گئی اس کے فرمانرواؤں، گورنروں اور سپہ سالاروں کی زبان یا قلم سے نکلا ہوا ایک جملہ بھی آج ہمیں ایسا نہیں ملتا جس میں ادائے تکبر کا ادنیٰ شائبہ تک پایا جاتا ہو۔ حتیٰ کہ جنگ میں بھی انہوں نے کبھی فخر و غرور کی کوئی بات زبان سے نہ نکالی۔ ان کی نشست و برخاست، چال ڈھال اور عام برتاؤ، ہر چیز میں انکسار و تواضع کی شان پائی جاتی تھی، اور جب وہ فاتح کی حیثیت سے کسی شہر میں داخل ہوتے تھے اُس وقت بھی اکڑ اور تبختر سے کبھی اپنا رعب جمانے کی کوشش نہ کرتے تھے۔